© rasailojaraid.com

ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار*

زبان اردو ، پاک ترک روابط ثقافتی کا ثمر

تاریخی و لسانی جائزہ

برّصغیر جنوبی ایشیا میں شمال مغرب کی طرف سے مختلف قومیں آئیں اور یہاں آ کر آباد ہوئیں۔ آسٹرک ، دراوڑ اور آریائی اقوام بھی انھی میں سے تھیں ۔ کچھ فاتحین عارضی طور پر یہاں آئے اور چلے گئے ، جیسے سکندر یونانی ، جو آندھی کی طرح یہاں آیا اور بگولے کی طرح غائب ہو گیا ۔ ظہور اسلام سے قبل کشان اور سفید ہن بھی یہاں آئے جنھیں وسط ایشیا کی اقوام کہا جاتا ہے ، اور اس لحاظ سے انھیں ترکمانوں میں شمار کیا جاتا ہے ۔[1] ان کے اثرات کے بارے میں بھی تاریخی تفصیلات مفقود ہیں ۔ مگر ظہور اسلام کے بعد جب ایک صدی کے اندر اندر ایران و خراسان کے بعد وسط ایشیا کی ترک اقوام اسلام کی آغوش میں آئیں تو یہ ایک نئی قوت بن کر ابھریں ۔ اس تہذیبی قوت کے اثرات برّصغیر جنوبی ہند پر بھی مرتب ہوئے اور ایشیا و یورپ و افریقہ کے دوسرے برّاعظموں تک بھی پہنچے ۔

محسن انسانی، رحمت للعالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے دین حق کی تکمیل کی (الیوم اکملت لکم دینکم) اور اس کے ذریعے تمام دنیائے انسانی کی فلاح و بہبود کے لیے ایک متوازن راہ (صراط مستقیم) تجویز کی گئی ۔ ترکوں نے اسلام قبول کیا تو ان کی ساری قوت اور صلاحیت اسلام کی اشاعت و ترقی کے لیے وقف ہو گئی اور انھوں نے صدیوں تک یہ خدمت ایشیا ، یورپ اور افریقہ کے میدانوں ، صحراؤں اور کوہساروں میں انجام دی ۔ ترکوں کے ساتھ اسلامی تہذیب ، ثقافت اور زبانوں کے اثرات دور دور تک پہنچے ۔ ہم اس وقت برّصغیر جنوبی ایشیا تک اپنے آپ کو محدود رکھتے ہوئے ان اثرات کا مختصراً جائزہ لیں گے جس کی ایک نمایاں صورت اردو زبان ہے ۔ یہ زبان نئے ہند آریائی دور کے لسانی تناظر میں ایک اہم ملک گیر زبان کے طور پر ابھری ۔ اس زبان کی نشو و نما میں ملکی عناصر (سوراسینی پراکرت کے لسانی ڈھانچے) اور ان ثقافتی اثرات نے نمایاں حصہ لیا ہے جو شمال مغرب سے ترک مسلمان فاتحین کے ساتھ برّصغیر میں آئے (ایک کثیر تعداد میں اسما اور صفات عربی، فارسی اور ترکی کے ذریعے آئے) یہ زمانہ چوتھی صدی ہجری (دسویں صدی میلادی) سے شروع ہوتا ہے ۔

---

* مہمان پروفیسر اردو ، استنبول یونیورسٹی ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ماہرین لسانیات نے برّصغیر میں ہند آریائی زبانوں کے لسانی ارتقا کو تین ادوار میں تقسیم کیا ہے،۲ جن کے کچھ ذیلی ادوار بھی بنائے جا سکتے ہیں ۔ یہ تین ادوار مندرجہ ذیل ازمنہ پر محیط کہے جا سکتے ہیں :

اول ، قدیم ہند آریائی دور (سنسکرتی یا ویدی دور) ابتدا تقریباً ۲۵۰۰ ق ۔ م سے ۶۰۰ ق ۔ م تک

دوم ، وسطی ہند دور (پراکرتی دور) ۶۰۰ ق ۔ م سے ۱۰۰۰ میلادی تک

سوم ، جدید ہند آریائی دور (جدید زبانوں کا دور) ۱۰۰۰ میلادی سے موجودہ زمانے تک

اس لسانی نقشے پر ایک نظر ڈالتے ہی ہم دیکھتے ہیں کہ جدید ہند آریائی زبانوں کے آغاز اور ترک مسلمانوں کی برّصغیر میں آمد کا زمانہ ایک ہی ہے ۔ ترک مسلمان اسلام کی تہذیبی وحدت و ثقافت کو لے کر یہاں پہنچے ۔ اس لحاظ سے اُن کی یہ آمد پہلے آنے والوں (کشان یا سفید ہن) سے بہت مختلف ، بے حد نتیجہ خیز اور ثمر آور تھی ۔ کیونکہ اُن کے ساتھ اسلام کا حیات آفریں توحیدی پیغام اور انسانی بھائی چارے (اُخوّت و مساوات) پر مبنی معاشرتی نظام عدل و احسان یہاں آیا جو برّصغیر کی اصنام پرست اور ذات پات کے بندھنوں میں جکڑی ہوئی پسماندہ اقوام کے لیے ایک نئے اور صحت مند اجتماعی نظام حیات کا نشان تھا ۔ مجھے معاف رکھا جائے کہ میں فرق کو واضح رکھنے کی خاطر ترک کے ساتھ مسلمان کا لاحقہ لگایا ۔ ورنہ ہمارے ادب میں (قدیم ہو یا جدید) جہاں بھی ترک کا لفظ آیا ہے اُس سے مراد ہی مسلمان ہوتی ہے ۔ گویا یہ دونوں لفظ اُردو میں مترادف ہیں ۔ اگر ہم ترکوں کی ہند میں آمد کے زمانے کو بھی نگاہ میں رکھیں تو پہلی قوموں کی آمد (جو لوٹ مار کرکے چلی جاتی رہیں یا ہندو معاشرے میں ضم ہو جاتی رہیں) اور ترکوں کی آمد (اور یہاں ایک نئی تہذیبی قوت کے طور پر بسنے) کا فرق خود بخود واضح ہو جائے گا ۔

برّصغیر میں اشوک اور گپت عہد کے بعد راجہ ہرش (چھٹی صدی میلادی) کا دور ایسا تھا جس میں کم از کم شمالی ہند ایک سیاسی وحدت میں متشکل تھا اور امن و آسودگی کے ساتھ لوگوں نے خوشحالی کے دن دیکھے تھے ۔ مگر ہرش کے بعد چار صدیوں تک برّصغیر چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا ، باہمی رزم و پیکار کا نمونہ پیش کرتا رہا ۔ اس انتشاری حالت نے اجتماعی زندگی کے نظام کو پراگندہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا ہوا تھا اور لوگوں کی زندگی اجیرن ہو کر رہ گئی تھی - دیوی دیوتاؤں کی کثرت کے ساتھ جب راجاؤں اور مہاراجاؤں کی بھی اتنی ہی کثرت ہو جائے تو معاشرتی نظام بھی کسی وحدت خیال و عمل سے محروم ہو جاتا ہے - اس کا اثر لسانی ارتقا پر بھی ہوا ، اور ادبی پراکرتیں انحطاط پذیر ہو کر بگڑی بولیوں (اپ بھرنشوں) کی صورت اختیار کرنے لگیں - یہی وہ انتشاری دور ہے جب ترک ایک نئی تہذیبی قوت کے جلو میں برّصغیر کے منظر پر نمودار ہوئے اور انھوں نے نہ صرف برّصغیر کے سیاسی نقشے میں جغرافیائی وحدت اور استحکام کا رنگ بھرا ، بلکہ ان کے زیر اثر یہاں کے تہذیبی و معاشرتی دھارے میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہوئیں - انھی تبدیلیوں کی ایک صورت ہمیں جدید ہند آریائی زبانوں میں ملتی ہے - اس کی ایک شکل اردو زبان کی شستہ و رفتہ صورت میں ہے ، جسے کسی طرح بھی مسجد قوت الاسلام ، قطب مینار ، تاج محل اور ترک مسلم دور کی دوسری حیرت انگیز تعمیرات سے کسی طرح بھی کم قرار نہیں دیا جا سکتا -

برّصغیر کے نامور ماہر لسانیات پروفیسر سنیتی کمار چیٹر جی ہند آریائی اور ہندی پر اپنے لیکچروں میں یہ اعتراف کرتے ہیں کہ :-

If there had been no Turki-Muhammadan conquest, the modern Indo-Aryan vernaculars might have had their formal birth, but their recognition for serious literary purposes, it would seem, wonld have been delayed,

پروفیسر چیٹر جی کا بظاہر مقصد تو یہ بتانا تھا کہ اگر ترک مسلمان برّصغیر میں نہ آئے ہوتے تو جدید زبانیں تب بھی جنم لیتیں - پھر ساتھ ہی انھوں نے یہ کہہ کر "مگر انھیں سنجیدہ ادبی اہمیت حاصل کرنے میں دیر لگتی" اس حقیقت کا بالواسطہ اعتراف کر لیا ہے کہ ترک مسلمانوں نے عوامی زبانوں کی سرپرستی کی اور اس کی بدولت آئندہ چند صدیوں میں ان زبانوں کو ادبی اہمیت حاصل ہو گئی - اردو زبان اس کا زندہ ثبوت ہے جس کا خمیر ہندوستانی ہے (جو سورسینی اپ بھرنش کے قواعد زبان پر مبنی ہے) اور ہندی آوازوں کے ساتھ اس نے کچھ عربی ، فارسی ، ترکی اصوات اور خاصی تعداد میں ان زبانوں کے اسما و صفات اپنالیے ہیں - عربی ، فارسی اور ترکی کے ان عناصر نے ثقافتی اعتبار سے اسے ایک دلکش زبان بنانے میں اہم حصہ لیا ہے -

ترک اسلام کا حیات آفریں پیغام لے کر وسط ایشیا سے نکلے اور ایشیا ، یورپ اور افریقہ کے مختلف خطوں میں پھیل گئے جہاں زبانیں بولی جاتی تھیں - زبانوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے بارے میں ترکوں کا رویہ بڑا فراخ دلی کا رہا ۔ اُن کی اپنی زبان ترکی تھی ۔ وہ مسلمان ہوئے تو اُنھوں نے قرآن پاک اور حدیث شریف کی زبان عربی کو سر آنکھوں پر بٹھایا ۔ فارسی اسلامی اثرات کو جذب کرتی ہوئی عربی رسم الخط کے ساتھ اُن کے پاس پہنچی تو ایک تہذیبی و ثقافتی زبان کے طور پر اُنھوں نے اسے بھی سینے سے لگایا ۔ پھر جب وہ برّصغیر میں آئے تو یہاں آ کر بھی اُنھوں نے لوگوں پر اپنی کسی زبان کو نافذ نہیں کیا ، بلکہ بڑی رواداری کے ساتھ اسلام کا پیغام محبت و اُخوت یہاں کی زبانوں میں عوام تک پہنچایا جو ایک قدرتی ذریعۂ اظہار تھا ۔ ترکوں کو اس امر کا احساس تھا کہ ہر زبان اللہ کی عطا کردہ ہے ۔ ہر خطے کے لوگوں کو اپنی زبان سے اُنس ہوتا ہے ۔ اس لیے کسی زبان کو مٹانا اور دوسری کو نافذ کرنا غیر قدرتی بات ہوگی ۔ البتہ وسیع میل جول سے فطری طور پر زبانیں پھلیں پھولیں اور ایک دوسری کے اثرات قبول کریں تو یہ اور بات ہے ۔ اس طرح اصل اہمیت اور فوقیت مقصد کو دی گئی ۔ ذریعۂ اظہار ثانوی چیز قرار پایا ۔ مقصد اسلام کا عالمگیر پیغام لوگوں تک پہنچانا تھا ۔ عربی ، فارسی ، ترکی یا ہندی زبانیں ذریعہ تھیں ۔ مسلمانوں کے اس لسانی موقف کی وضاحت علامہ اقبال نے بڑے خوبصورت انداز میں ایک شعر میں پیش کی ہے :

ترکی بھی شیریں ، تازی بھی شیریں
حرف محبت ، ترکی نہ تازی !

ترکوں کا یہ رویہ بُرصغیر ہی میں نہیں بلکہ دوسرے برّاعظموں اور خطّوں میں بھی رہا ، جہاں جہاں اُن کے اقتدار کا پھریرا لہرایا ۔

برّصغیر میں تحوّل زبان اُردو کے سلسلے میں چار دور سامنے رکھے جا سکتے ہیں ۔ پہلا دور گیارھویں صدی میلادی کے شروع سے بارھویں صدی کے آخر تک جو کم و بیش پاکستان کے موجودہ علاقوں تک محیط تھا ۔ دوسرا دور سلاطین دہلی کا قطب الدین ایبک سے بلبن اور پھر خلجی اور تغلق سلاطین تک (جو سب ترک حکمران تھے) تیرھویں صدی سے پندرھویں صدی میلادی تک ۔ تیسرا شاہان تیموری کا دور سولھویں صدی سے اٹھارھویں صدی میلادی تک ، اور پھر چوتھا جدید دور تیموریوں کے زوال یعنی الیسویں صدی کے آغاز سے اب تک ۔ مگر یہاں ایک امر کی وضاحت ضروری ہے کہ زبان کے لیے اُردو کا موجودہ نام جو ترکی سے ماخوذ ہے ، برّصغیر میں اٹھارویں صدی میں رائج ہوا ۔ اُردو ، ترکی میں بمعنی عسکرگاہ یورپ کی اکثر زبانوں میں بھی Turkioh Hordes کی صورت میں پہنچا اور ایران و ہند میں بھی لشکرگاہ ، اور اُردوے معلّیٰ (شاہی فرودگاہ) کے طور پر تیموریوں کے ساتھ آیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور بعد میں مرکز سلطنت کے بادشاہی اقامتی حصّے اور اس سے متعلقہ بازار اور شاہی ٹکسال وغیرہ کے ساتھ لاحقے یا سابقے کے طور پر استعمال ہوتا رہا اور پھر زبان کے لیے بھی زبانِ اردوے معلّیٰ ، اردو کی زبان اور پھر صرف اردو نام کے طور پر استعمال ہونے لگا ۔ ورنہ پہلے اس ملی جلی زبان کا نام ہند کی نسبت سے ہندی یا ہندوی تھا (بعض مسلم مصنفین اور اکثر یورپئین سکالروں نے اسے ہندوستانی کا نام بھی دیا ہے) بھارت کی موجودہ سرکاری ہندی زبان کا اس وقت کوئی وجود نہ تھا ۔

ترکوں کی برّصغیر میں آمد کے ساتھ ہی پاکستان کے موجودہ علاقوں خصوصاً پنجاب میں نئی زبان کی تشکیل کا آغاز ہو گیا تھا ۔ ترک اپنے ساتھ اپنی تہذیب و ثقافت لائے جو اسلامی اثرات جذب کرکے ثمر آور ہو چکی تھی ۔ جب ترکوں نے یہاں آکر مقامی لوگوں سے راہ و رسم پیدا کی تو قدرتی طور پر دیسی زبان میں ترکی اور عربی و فارسی کے الفاظ (اسما و ضمائر و صفات) استعمال ہونے لگے ۔ اس ابتدائی زبان کے نمونے ناپید ہیں* مگر غزنوی عہد میں بہت سے علما و صوفیا وسط ایشیا سے آکر یہاں مقامی زبانوں میں رشد و ہدایت کے سلسلے قائم کر رہے

---

*ہمارے پاس اس زبان کا تحریری نمونہ ایک مکالمے کی شکل میں ہے جو فارسی کی ایک تصنیف سیر الاولیا میں ہے ۔ یہ مکالمہ شیخ فریدالدین اور ایک خاتون ''مادر مومناں'' کے مابین ۶۵۹ ہجری میں ہوا ۔ مکالمہ اس صورت میں ہے :

''مادر مومناں بخدمت شیخ الشیوخ العالم عرضداشت کرو بزبان ہندوی کہ ''خوجہ! برہان الدین بالا ہے'' ، یعنی خورد است ، این بارگراں را طاقت نتواند آورد ۔ شیخ شیوخ العالم قدس سرہ العزیز فرمود بزبان ہندوی کہ ''مادر مومناں! پونیوں کا چاند بھی بالا ہوتا ہے'' ، یعنی ماہ شب چہاردھم در اوّل شب خورد می باشد کہ بتدریج بکمال می رسد ۔''

(بحوالہ مقالات حافظ محمود خاں شیرانی ، جلد اول ، صفحہ ۱۳۹)

اس مکالمے میں اسم معرفہ قطع نظر دو بنیادی الفاظ یہ آئے ہیں ۔ ''خوجہ'' (اردو میں خواجہ) ترکی میں اسی تلفظ کے ساتھ HOCA (صرف خ بدل گئی ح میں) اور ''بالا'' (ترکی میں BALA بمعنی بچہ ، بیبک) یہ دونوں لفظ پنجابی اردو اور ترکی میں بدستور رائج ہیں ۔ پونیوں (پورن ماشی) کا چاند ، ''کا'' ہندئی اضافت ''ہے'' فعل حال اور ''ہوتا ہے'' فعل مضارع ، یہ بنیادی طور پر مقامی قواعد کے مطابق ہیں ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھے اور سلطان ابراہیم غزنوی ابن سلطان مسعود ابن سلطان محمود غزنوی کے عہد کا شاعر مسعود سعد سلمان عربی و فارسی کے علاوہ ہندوی میں بھی کلام کہہ رہا تھا۔ اس کے بارے میں مستند شہادت محمد عوفی نے دی ہے جو سلطان قطب الدین ایبک کے ہم عصر جرنیل ، امیر ناصر الدین قباچہ کا درباری تھا ۔ وہ اپنے فارسی تذکرے ''لباب الالباب'' میں لکھتا ہے : ''او را سہ دیوانست یکے بتازی یکے بپارسی و یکے بہندوی''۔[4] امیر خسرو دہلوی نے اپنے دیوان غرۃ الکمال کے دیباچے میں اس بیان کی تائید کی ہے ۔ خود امیر خسرو نے بھی مسعود سعد سلمان کے تقریباً سو سال بعد اس ہندوی زبان میں چند اجزا پر مشتمل کلام کہا ، اور اپنی مثنوی ''نہ سپہر'' میں مختلف خطّوں کی زبانوں کا ذکر کرتے ہوئے لاہوری اور ملتانی کے نام بھی لیے ہیں مگر ہندوی کو ان علاقائی ناموں سے الگ رکھا ہے جو اس زبان کی بین العلاقائی حیثیت کا بھی ثبوت ہے ۔

اس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ برّصغیر پر ان اسلامی اثرات کے ساتھ جدید آریائی زبانوں کے ارتقا کا جو سلسلہ شروع ہوا ، اس میں اردو زبان کی نشو و نما ایک ملک گیر زبان کے طور پر (کم از کم شمالی ہند میں) ہونے لگی تھی ۔ یہ غزنی ، لاہور اور دہلی کے ترک سلاطین کا دور تھا جس میں مقامی باشندوں سے بڑی روا داری کا سلوک ہوا ۔ برصغیر ترک سلاطین کی حکومت میں امن و امان کا گہوارہ اور خوشحالی و ترقی کا محور تھا ۔ جب تیرھویں صدی میلادی کے وسط میں چنگیز خانی تاخت و تاراج کے نتیجے میں خوارزم ، خراسان اور وسط ایشیا کے ترکمان پناہ لینے کے لیے برّصغیر کا رخ کرتے ہیں تو سلطان شمس الدین التتمش ، ناصر الدین محمود اور غیاث الدین بلبن ان مہاجرین کا خیر مقدم کرتے ہیں ، اور یہ تارکین وطن یہاں رس بس جاتے ہیں ۔ اس وسیع پیمانے پر ہجرت نے بھی ہند میں ثقافتی اور لسانی امتزاج کے عمل کو وسیع طور پر متاثر کیا ہوگا ۔

جنوبی ہند (دکن) کے مسلمان سلاطین بھی شمال مغرب سے آنے والے ترک نسل سے تھے اور انھوں نے سب سے پہلے اردو زبان اور شعر و ادب کی اپنے درباروں میں سرپرستی کی ۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ سلاطین لاہور و دہلی کے دور میں ترکی و ہندی عناصر کا انجذاب شروع ہوا ۔ گھروں میں ترکی بولی جاتی تھی ۔ فارسی درباری زبان رہی ۔ دینی زبان عربی تھی ، اور ان سب زبانوں کا اثر مقامی زبانوں پر خصوصاً اردو پرہو رہا تھا ۔ ترک فاتحین اس ملک میں رس بس گئے تھے ۔ ان کے اور مقامی لوگوں کے درمیان اجنبیت کی دیواریں رفتہ رفتہ گر رہی تھیں ۔ اسلام کی اشاعت نے بھی ان میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اخوت اور مساوات کا رشتہ قائم کر دیا تھا ۔ آپس میں شادی بیاہ بھی ہونے لگے تھے ، اور نئی پود دینی رشتے سے ہی نہیں بلکہ نسلی اور لسانی طور پر بھی مشترک خصوصیات کی حامل بن رہی تھی ۔ اس کی بڑی مثال خود امیر خسرو دہلوی ہیں جن کے باپ ترک تھے اور ماں ہندی تھی ۔ یہ صرف ایک مثال ہے جو اس معاشرتی اختلاط کے اظہار کے لیے ہے ۔ جب گھروں میں یہ صورت ہوگی تو اس کا لازمی نتیجہ ہوگا کہ طرز معاشرت ، ماند و بود ، خور و نوش ، لباس ، زبان ، تہذیب ، ثقافت کا ایک امتزاجی انداز اس سے نمودار ہو ۔ اردو زبان کا اس لحاظ سے تجزیہ کیا جائے تو اس تاریخی عمل کے بہت سے حیران کن ثبوت ہمیں فراہم ہو سکتے ہیں ۔

شاہان تیموری کے دور میں ہمایوں ابن بابر کی ایران سے واپسی کے بعد برصغیر میں ایرانی ثقافتی اثرات کا دور شروع ہوا ۔ اس زمانے میں تورانی اور ہندی عناصر کے امتزاج نے اردوے معلیٰ کے روزمرے اور محاورے کی تشکیل کی جو دہلی کے شرفا و امرا کی زبان قرار پائی ۔ اکبر اور جہانگیر کے عہد میں تورانی ، ایرانی اور ہندی عناصر کے اشتراک نے مقامی ثقافت کو ایک نئی جہت دی ۔ شاہجہان اور اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں یہ امتزاج اپنے اوج کمال تک پہنچ رہا تھا ۔ اب اردو زبان جذب و انجذاب کے مرحلے سے گزر کر اسلوب و بیان کے اظہار کے لیے پر تول رہی تھی اور ادبی اظہار کے لیے فارسی کی جگہ لینے کے لیے تیار ہو رہی تھی ۔

اٹھارہویں صدی میں جب شمالی ہند کے مرکزوں دہلی ، آگرہ ، لکھنؤ ، عظیم آباد ، مرشد آباد اور لاہور میں اردو شعر و شاعری کی تخلیق کا سلسلہ شروع ہوا ، تو مرکز سلطنت دہلی کے ٹکسالی روزمرے اور محاورے کو ادبی معیار قرار دیا گیا ۔ ہندی یا ہندوی زبان کی تراش خراش ادبی و شعری مذاق کے مطابق ہونے لگی ، اور اس عمل سے گزرنے کے بعد وہ زبان متشکل ہوئی جسے اردو کا نام دیا گیا ۔ اور جو اب پاکستان کی قومی زبان ہے ۔

یہ شستہ و رفتہ زبان نئے ہند آریائی سلسلے کی سب زبانوں میں منفرد اور یکتا تھی ۔ یہ زبان برصغیر میں ہر جگہ سمجھی جاتی تھی گو بعض علاقوں میں بولی نہیں جاتی تھی ۔ جب فرنگی ہمارے ملک میں تاجر کی حیثیت سے آئے تو انھیں اپنے مقاصد کی خاطر ایک ایسی لنگوا فرانکا کی ضرورت تھی ۔ چنانچہ انھوں نے بھی اپنے تجارتی اور دفتری کاروبار کے لیے اردو کو اپنایا ۔ جب وہ اس ملک کے مالک و مختار ہو گئے تو اپنے دفتری و عدالتی نظام میں فارسی کی جگہ انگریزی کو لانے سے پہلے اردو کو عبوری عرصے کے لیے دفتری اور عدالتی زبان کے طور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر اختیار کیا ۔

میں اس موقع پر اس افسوسناک بحث میں پڑنا نہیں چاہتا کہ فرنگی شاطر کی سرپرستی ہی میں برصغیر میں پراچین ہندی تہذیب و ثقافت کے احیاء کی کوششیں شروع کیں اور صدیوں کی قدرتی تخلیق آردو کے مقابلے میں ایک مصنوعی زبان ہندی کو ایجاد کیا ۔ چنانچہ عام زبان آردو میں سے عربی ، فارسی ، ترکی الفاظ خارج کیے گئے اور ان کی جگہ سنسکرت الفاظ لائے گئے ، اور اس کے لیے دیوناگری رسم الخط اختیار کیا گیا ۔ اس کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ ہندو برصغیر میں اسلامی عہد کے ہر ثقافتی نشان کو مٹا کر ویدک دور کو واپس لائیں ۔ اس سے اسلامیان ہند میں اپنے الگ قومی تشخص کا شعور پیدا ہوا ، اور وہ پاکستان اور آزادی کی منزل کی طرف بڑھے تاکہ برصغیر میں اپنے تہذیبی اور ثقافتی ورثے کی حفاظت بھی کر سکیں اور اسے ترقی بھی دے سکیں ۔ یہی وہ ورثہ ہے جو پاکستان اور ترکی کو ایک لازوال رشتے میں منسلک کیے ہوئے ہے ۔

قصہ مختصر ، آردو وہ زبان ہے جو تقریباً ہزار سال پہلے ترک مسلمانوں کی سرپرستی میں سنجیدہ ادبی معیار کے حصول کی طرف بڑھی تھی ۔ جدید زمانے کے علمی ، ادبی ، تعلیمی ، دفتری ، عدالتی اور ابلاغی تقاضوں کو قبول کرتی ہوئی اب یہ زبان برصغیر جنوبی ایشیا کی ایک اہم اور ہمہ گیر زبان ہے جس کے اثرات دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں اور پھیل رہے ہیں ۔

حوالے :

۱۔ ڈاکٹر اہرکان ترکمان کے مضامین ، ہندوستان میں ترکوں کا ورثہ ، آردو اور ترکی ، مطبوعہ "جامعہ" دہلی ، بابت ۔

۲۔ پروفیسر سنیتی کمار چیٹرجی ، ڈاکٹر مسعود حسین خاں ، ڈاکٹر محی الدین قادری زور ۔

۳۔ انڈو ایرین اینڈ ہندی ، پروفیسر سنیتی کمار چیٹرجی ، مطبوعہ کلکتہ ، ۱۹۶۰ء ۔

۴۔ لباب الالباب ، آقای سعید نفیسی ، مطبوعہ تہران ۔

© rasailojaraid.com